© rasailojaraid.com

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

پروفیسر خالد شبیر احمد

سید ذوالکفل بخاریؒ کا سانحۂ ارتحال صرف امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے خاندان کے لیے ہی ایک عظیم صدمہ نہیں ہے بلکہ پاکستان کے دینی اور ادبی حلقوں کے لیے بھی ایک ایسا صدمہ ہے کہ جسے لفظوں میں بیان کرنا انتہائی مشکل ہے۔ ان کی خداداد صلاحیتوں کا ادراک میرے جیسے کم علم انسان کے لیے تو سرے سے ممکن ہی نہیں ہے۔ مرحوم و مغفور ہر حوالے سے ایک گوہر یکتا تھے۔ انھیں زہد و تقویٰ کے حوالے سے دیکھا جائے تو اس قحط الرجال کے دور میں ان جیسا دوسرا نظر نہیں آتا اور اگر علم و ادب کے حوالے سے ان کی شخصیت کا جائزہ لیا جائے تو کہنا پڑتا ہے کہ انھوں نے علمی اور ادبی حلقوں میں اتنی کم عمر میں وہ مقام و مرتبہ حاصل کر لیا تھا کہ بڑے بڑوں کو مدتِ بسیار کے بعد بھی ایسا مقام حاصل نہیں ہوتا۔ مزاج میں شائستگی، گفتار میں مٹھاس، انتہائی ملنسار، انسانی اوصاف سے متصف جہاں بیٹھتے لوگوں کا دل موہ لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں فکر و دانش کی صلاحیتیں وافر عطا کر رکھی تھیں۔ اس پر خاندانی نسبت اور تربیت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا اور وہ انتہائی کم عمری میں اہل نظر کی آنکھوں کا ستارہ بن گئے۔ اس لیے بھی کہ خداوند کریم نے انھیں حسنِ اخلاص، حسنِ کردار و عمل اور حسنِ افکار کے حوالے سے دینی اور علمی حلقوں سے تعلق رکھنے والے ہر فرد کے لیے لائقِ تقلید و اتباع بنانے کی ہر خوبی سے نواز رکھا تھا اور اس کے ساتھ نیکی اور پارسائی میں بھی وہ اپنی مثال آپ تھے۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا زہد و تقویٰ کس قدر قبولیت کا شرف حاصل کر چکا تھا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ موت مکہ معظّمہ کی مقدس سرزمین پر آئی۔ حرم کعبہ میں لاکھوں فرزندانِ توحید نے ان کے جنازے میں شرکت کی اور جنت المعلیٰ میں امّ المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے قدموں میں دفن ہوئے۔ جب کہ وقتِ آخر کلمۂ شہادت ان کے لبوں پر تھا۔

> مولانا حبیب الرحمٰن ہاشمی صاحب نے اپنے مضمون میں سید ذوالکفلؒ کے بارے میں بجا تحریر فرمایا ہے کہ:
> اساتذہ کے سیکڑوں اشعار نوک زباں تھے۔ موقع محل کی مناسبت سے یوں جڑتے جیسے انگوٹھی میں نگینہ اور پھر اپنی ذہین اور چمکدار نگاہیں مخاطب پر گاڑ دیتے اور داد طلب ہوتے۔ ان کی معیت میں دسیوں سفر ہوئے اس بار خانقاہ سراجیہ ہم دونوں گئے۔ تمام راستے مختلف موضوعات پر بات ہوتی رہی۔ وہاں مخدوم زادہ گرامی مولانا عزیز احمد سے طویل گفتگو ہوئی۔ خوب مجلس جمی۔ یہاں یہ بلبلِ ہزار داستاں طوطیٔ شیریں مقال احتیاط و احترام کے دائرے میں محصور ہو جاتا۔ صاحبزادگان بھی بہت احترام سے پیش آتے۔ بڑی قدر فرماتے۔ حضرت والا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی مجلس میں تمام تر توجہ سمیٹ لیتے۔ حضرت کی نگاہِ التفات شاہ جی پر پڑتی اور خوب پڑتی۔

اس کے ساتھی کا یہ اقتباس اس بات کی مکمل گواہی دے رہا ہے کہ ذوالکفل بخاری اپنے پیر و مرشد کی خانقاہ میں بھی انتہائی احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو ادب و احترام کے دائرے میں ہی محصور رکھتے۔ یہ ایک ایسی خوبی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ روحانی تعلق اگر مضبوط و مستحکم ہو تو تبھی یہ خوبی پیدا ہوتی ہے۔ ورنہ نہیں۔

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے مثالی خاندان کا مثالی فرد دنیا سے رخصت ہوا تو ہر دل غمزدہ اور ہر آنکھ اشکبار ہوگئی۔ خود میں نے جب یہ خبر رات کے ۹ بجے سنی تو مجھ پر کیا کیفیت طاری ہوئی بیان سے باہر ہے۔ کیفیت نام ہی ایسی حالت کا ہے جو بیان نہ کی جا سکے۔ میں فوراً سوچنے لگ گیا کہ کس سے رابطہ کروں اور اسے کیا کہوں کہ یہ سب کچھ کیسے ہوگیا۔ ایک ہی خیال دل و دماغ پر مسلط ہو کہ رہ گیا کہ کفیل شاہ، ان کے والد محترم پروفیسر وکیل شاہ صاحب اور حضرت پیر جی کا سامنا کیسے کر پاؤں گا۔ وہ انتہائی افسردہ اور غمگین ہوں گے۔ کن الفاظ سے میں تعزیت کروں گا۔ دوسرے روز جب میں دارِ بنی ہاشم اپنے چھوٹے بھائی نصیر کے ساتھ پہنچا تو یہی صورت حال تھی کہ **انا للّٰہ وانا الیہ راجعون** کے سوا کچھ بھی نہ کہہ پایا۔ الفاظِ تعزیت زبان سے ادا نہ ہو سکے جیسے منہ میں ہی منجمد ہو کے رہ گئے ہوں۔ لوگوں کا ہجوم سید وکیل شاہ صاحب کے اردگرد چار پائیوں پر بیٹھا غم و اندوہ میں ڈوبا ہوا نظر آتا تھا۔ سوگوار فضا نے ہر ایک کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ وکیل شاہ صاحب صبر و استقامت کا پہاڑ بنے بیٹھے تھے۔ ادھر پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری شاہ صاحب آنے والوں کو صبر و تحمل کی تلقین کرتے نظر آئے۔ ان کے لبوں پر ''الحمد اللہ اور اللہ کا احسان ہے'' کے سوا کچھ نہ تھا رونے والوں کی خود ڈھارس بندھاتے اور میں یہ دیکھ کر سوچنے لگا کہ اس خاندان پر اللہ تعالیٰ کا کتنا فضل و کرم ہے کہ اتنے بڑے حادثے اور سانحے پر بھی شرعی حدود سے تجاوز کہیں نظر نہیں آتا۔

امیر شریعتؒ کے اس خاندان سے دیرینہ تعلق خاطر ہے اور اسی تعلق کی بنیاد پر میں نے ان کی ہر خوشی اور ہر غمی میں شرکت کی ہے۔ دیکھا تو یہی دیکھا، کہ یہ لوگ نہ ہی خوشی کے موقع پر شرعی حدود کو توڑتے ہیں اور نہ ہی غم کے موقع پر۔ حالانکہ ہمارے معاشرے میں یہی دو مواقع ایسے ہوتے ہیں کہ لوگ جذباتی ہو کر شرعی حدود کو پھلانگ جاتے ہیں لیکن اس خاندان میں مجھے ایسا نظر نہیں۔ خوشی اور غمی کے ایسے ماحول میں مجھے ہر مرتبہ ایمان کی تازگی حاصل ہوئی۔ راضی بہ رضائے الٰہی منہ سے کہہ لینا آسان سی بات ہے لیکن عملاً اس کا مظاہرہ کرنا ایک بہت مشکل امر ہے۔ لیکن اس خاندان کے لیے کوئی مشکل بات نہیں۔

صبر کی عملی تصویر مجھے اسی خاندان کے انھی مواقع پر نظر آئی اور یہ خوبی اس خاندان کا ایک ایسا امتیازی وصف ہے جو آپ کو ہمارے معاشرے کے دوسرے خاندانوں میں بہت کم نظر آئے گا۔ شاید اس لیے بھی کہ دینی حوالے سے یہ خاندان قائدانہ صلاحیتوں سے پہچانا جاتا ہے اور قیادت کا فرض ہے کہ وہ دوسروں کے لیے اپنے عمل سے ہر معاملے میں ایک مثال بن کے نظر آئے تا کہ اس طرز عمل کی تقلید کے لیے دوسروں میں حوصلہ پیدا ہو۔

پھر یہ خوبی بھی دیکھنے میں آئی کہ کفیل شاہ صاحب کبھی کبھی شدتِ غم سے اشکبار ہو جاتے اور پھر سنبھل بھی جاتے اور آنے والے مہمانوں کی مہمان نوازی میں مصروف ہو جاتے۔ سارے انتظام انھی کے ہاتھ میں تھے۔ ادھر وہ اتنے بڑے صدمے کے باوجود بطور میزبان اپنے فرائض سے غافل نہ تھے۔

© rasailojaraid.com

مجھے سید ذوالکفل بخاریؒ کے پاس بیٹھنے کا موقع بہت کم میسر آیا۔ مرحوم ۱۹۶۹ء میں پیدا ہوئے اور میں مارچ ۱۹۶۹ء کو گورنمنٹ کالج سول لائنز سے تبدیل ہو کر ایس۔ ای کالج بہاول پور چلا گیا تھا۔ بہاول پور سے ملتان کئی مرتبہ آنا جانا رہا۔ لیکن معمول کے مطابق سید ابوذر بخاریؒ، سید عطاء المحسن بخاریؒ کی محفلوں سے ہی فیض یاب ہوتا رہا۔ کفیل شاہ صاحب بھی ان دنوں اپنے گھر کے دوسرے افراد کے ساتھ مدرسہ خیر المدارس میں تعلیم حاصل کر رہے تھے اور وہیں پر ایک کرائے کے مکان میں رہائش پذیر تھے۔

سید ذوالکفل بخاریؒ ان دنوں اپنی والدہ ماجدہ کی گود میں ہوں گے۔ جب وہ زیورِ تعلیم سے آراستہ ہو کر عملی زندگی میں آئے تو میں ان دنوں فیصل آباد گورنمنٹ کالج جا چکا تھا۔ اس طرح میں ان کی صحبتوں سے محروم رہا۔ حالانکہ میں وہ خوش قسمت فرد ہوں جسے امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ سمیت ان کے خاندان کے ہر فرد سے بھرپور فیض حاصل کرنے کا موقعہ میسر آیا۔ اس پر میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ وہ سب کچھ جو ایک انسان میں کم از کم ہونا چاہیے اسی خاندان کی عطا ہے۔

بہرحال ملتان میں سید ذوالکفل بخاریؒ سے بھی ملاقات ہو جاتی تھی اور جب میری ادنیٰ سی ادبی کاوش خواب خواب روشنی منصۂ شہود پر آئی تو اس کی تقریب رونمائی جس کا اہتمام گورنمنٹ کالج فیصل آباد میں ہوا مہمان خصوصی کے لیے میری نظر سید ذوالکفل پر پڑی انھوں نے کمال مہربانی سے میری درخواست کو قبول کر لیا۔ اور تشریف لائے، پروفیسر تاثیر وجدان ان کے ہمراہ تھے اور وہ اس تقریب رونمائی کے صدر تھے۔ انھوں نے بڑے خوبصورت انداز میں میری غزلوں کے اس مجموعے پر اپنے تاثرات بیان کیے۔ جو میرے لیے سب کچھ تھا۔ اس کے بعد ایک مرتبہ مجھے فاران اکادمی میں بھی لے گئے اور وہاں ایک مشاعرے میں مجھے بطور صدر اپنا کلام سنانے کا موقع ملا۔

ان کی موت پر جس طرح اہل علم حضرات نے اپنے تاثرات قلمبند کرائے ہیں۔ ان سے بات واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ اس موت کا صدمہ ان کے خاندان کو ہی نہیں اور یہ نقصان صرف ان کے خاندان کا ہی نہیں پورے معاشرے کا ہے اور خاص طور پر علم و ادب کے پرستار لوگ جو اس موت پر نوحہ خواں نظر آئے ہیں۔ اس بات کی ایک بیّن دلیل ہے کہ وہ ایک بہت بڑے انسان، علم دوست، فہم و فراست کا استعارہ، علمیت و شعریت کا نقطہ کمال، فکر و دانش، تحقیق و تجسس اور زہد و تقویٰ کی خوبصورت تصویر تھے۔ جو ہمارے درمیان نہ رہے۔ انھوں نے اپنے علمی و ادبی دوستوں کے دلوں میں جو مقام پیدا کر لیا تھا۔ وہ مقام ان کے دلوں میں زندہ رہے گا اور وہ ان کی صلاحیتوں کے اظہار کے لیے انھیں سراہتے رہیں گے اور آنے والی نسلوں کو ان سے متعارف کراتے رہیں گے کہ یہی ان کا ہم سب پر حق ہے اور وہ اس کے ہر حوالے سے مستحق بھی ہیں۔ ایسے لوگ صرف آنکھ سے اوجھل ہوتے ہیں مرتے نہیں۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما